معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کیلئے تقویٰ کے ساتھ قول سدید کا دامن پکڑیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ار نومبر ۱۹۸۵ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت کیں:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧١﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٢﴾ (الاحزاب: ۷۱-۷۲)

اور پھر فرمایا:

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح عبادت اور دعوت الی اللہ کا صبر کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے اسی طرح اصلاح اعمال کا قول سدید کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ درحقیقت بہت سے انسانی خلق ہیں جو بعض خاص اوامر کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ان کے تعلقات ہیں اور ایک باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ انسانی فطرت کے اندر مختلف پہلوؤں میں اسی طرح ایک مربوط نظام نظر آتا ہے جس طرح ایک سائنسدان کو خدا تعالیٰ کی ظاہری کائنات میں ایک مربوط نظام نظر آتا ہے اور احکامات الٰہی کا بھی ان کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے جو اتفاقی نہیں بلکہ ایک گہرے نظم وضبط کے ساتھ وہ تعلق قائم ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تمام الٰہی کتب میں سب سے زیادہ نظم اور ضبط

کے ساتھ اس تعلق کو قرآن کریم نے ظاہر فرمایا اور حیرت انگیز طریق پر ان مخفی اسرار کو روشن کیا جو پہلی قوموں کی نظر سے بھی اوجھل تھے اور پہلے مذاہب نے بھی ان کو اس طرح ابھار کر پیش نہیں کیا۔ مثلاً یہی آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں قول سدید کا جس طرح اعمال صالحہ کے ساتھ تعلق جوڑا گیا ہے۔ میری نظر میں کوئی اور ایسی الٰہی کتاب نہیں جس نے اس طرح قول سدید کو اعمال صالحہ کے ساتھ جوڑا ہو۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ قول سدید کا اعمال صالحہ کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس تعلق کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں معاشرہ میں بہت کثرت کے ساتھ برائیاں پھیل جاتی ہیں اور اس کا علم نہ ہونے کے نتیجہ میں علاج کی سمجھ نہیں آتی کہ علاج کیسے کیا جائے۔ اس کا تعلق نصیحت کرنے والے سے بھی ہے اور اس سے بھی ہے جس کو نصیحت کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے تو نصیحت کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک آپ کی نصیحت میں قول سدید نہ آجائے اس وقت تک آپ کی نصیحت اعمال صالحہ کی ترغیب دینے میں ناکام رہے گی، اصلاح احوال میں ناکام رہے گی کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۱﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ تم اگر اعمال کی اصلاح چاہتے ہو تو پہلے صاف اور سیدھی بات کرنا تو سیکھو۔ باتوں میں پیچ رکھتے ہو، کجی پائی جاتی ہے، نیتیں کسی اور سمت میں رواں ہوتی ہیں، بات کسی اور سمت میں چل رہی ہوتی ہے، مقصد کوئی اور بیان کیا جاتا ہے اور بات کسی اور ڈھب پہ کی جاتی ہے۔ بظاہر ملائمت بھی بات میں ملتی ہے، ملمع کاری بھی ہوتی ہے، نیک نیتوں کا ادّعا بھی ہوتا ہے لیکن اس کے اندر بعض دفعہ ایسی چھریاں پوشیدہ ہوتی ہیں جو کاٹتی ہیں اور نصیحت کرنے والے کو اور بھی زیادہ متنفر کر کے دور ہٹا دیتی ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ بالا رادہ ہو بلکہ بسا اوقات بغیر ارادے کے یہ کام ہوتا چلا جاتا ہے اور لوگ محسوس نہیں کرتے کہ کسی معاشرہ پر کیوں کوئی نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی اور نیک لوگوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ بدوں میں تو اتنی کھل کر پائی جاتی ہے کہ اس کی کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

جماعت احمدیہ کے کارکن چونکہ خدا کے فضل سے عمومی طور پر تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں اس لئے میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اس کمزوری میں ملوث ہو جاتے ہیں اور ان کو علم نہیں ہوتا۔ مجھے چونکہ دنیا کے کونے کونے سے جماعت کے کارکن اپنی مشکلات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں اور جو

دقتیں ان کو پیش آتی ہیں ان سے مطلع رکھتے ہیں اس لئے مجھے نسبتاً زیادہ آپ کے مقابل پر سہولت حاصل ہے کہ میں اندازہ کرسکوں کہ ہماری جماعت میں کارکنان کس رنگ میں نصیحت کرتے ہیں اور کیسی کیسی مشکلات ان کو درپیش ہیں۔

پہلی مشکل جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے خود ان کی ہی پیدا کردہ ہے۔ وہ بات میں بعض دفعہ پیچ رکھتے ہیں، بعض دفعہ سختی کرتے ہیں، بعض دفعہ طعن پایا جاتا ہے، بعض دفعہ نیکی کا مخفی تکبر ہوتا ہے۔ ایک کمزور انسان کو اس کی کمزوری پر مطلع کرتے وقت ایسا انداز پایا جاتا ہے جس سے گویا یہ جتانا مقصود ہو کہ تم میں یہ بات ہے اور مجھ میں نہیں۔ تم مالی قربانی اس رنگ میں پیش کرتے ہو، میں اس رنگ میں پیش کرتا ہوں، میں خدمت دین کر رہا ہوں تم خدمت دین کو ٹھکرانے والے ہو۔ تم مجھے گھر پر پھیرے ڈلواتے ہو حالانکہ میں خدا کی خاطر خدا کے نام پر یہ کام کرنے کے لئے تمہارے پاس آیا تھا۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں۔ ان میں سے ہر بات قول سدید سے ہٹی ہوئی ہے۔

مثلاً یہ کہنا کہ میں تو خدا کی خاطر تمہارے گھر کے پھیرے ڈالتا ہوں اور تم آگے سے یہ سلوک مجھ سے کر رہے ہو تمہارا کیا حال ہے۔ یہ قرآن کریم کے اصول کے مطابق ایک ٹیڑھی بات ہے جس کا حقیقت حال پر اگر آپ غور کریں تو اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ گناہگار کرنے والی بات ہے۔ اسی مضمون کو قرآن کریم ایک دوسری جگہ یوں بیان کرتا ہے قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ (الحجرات:۱۸) کہ ان سے کہہ دے کہ مجھ پر اپنا اسلام نہ جتایا کرو۔ اگر چہ یہ دوسرا رخ ہے لیکن بنیادی طور پر کمزوری وہی ہے یعنی بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ پر بھی اپنا اسلام جتایا کرتے تھے۔ کمزوری وہی ہے جب یہ حد سے زیادہ بڑھ جائے تو یہ بھیانک شکل بھی اختیار کر لیتی ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بتایا کہ ہم خدا کی خاطر، یہ یہ نیکیاں کرتے ہیں آپ کی خاطر یہ یہ نیکیاں کرتے ہیں معاشرہ نے ہم سے کیا سلوک کیا ہے۔ آپ نے ہم سے کیا سلوک کیا ہے یہ ہمارے حقوق ہیں جو نہیں دیئے جا رہے۔ اس قسم کی باتیں بعض احمق اور جاہل اس زمانے میں بھی کیا کرتے تھے اور خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ باتیں کہا کرتے تھے اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں اتنی حیاء تھی کہ یہ سننے کے باوجود بھی جواب نہیں دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے جواب دیا اور حکماً فرمایا

کہ ان کو بتا دو لَا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ اگر تمہارا اسلام ہے تو تمہاری خاطر ہے۔ اگر خدا کی خاطر تم یہ کام کرتے ہو تو میری ذات پر تمہارا کوئی احسان نہیں ہے۔ اس لئے اپنی نیکیوں کا اجر خدا سے مانگو اور اسی پر تمہارا حق بنتا ہے۔ مجھے یا میرے غلاموں کو کیا آ کر بتاتے ہو کہ ہم نے یہ کیا اور ہم نے وہ کیا۔

پس یہ اسی بنیادی کمزوری کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ ایک آدمی جب خدا کے نام پر یہ عہد لے کر گھر سے نکلتا ہے کہ میں رضائے باری تعالیٰ کی خاطر جماعت کی خدمت کے لئے نکلا ہوں اور اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے نام پر ایک نیک کام کے لئے اپنی جھولی پھیلا رہا ہوں۔ تو اس کو پھر ان سب باتوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس کی دل شکنیاں بھی ہوں گی لیکن ہر دل شکنی اگر وہ خدا کی خاطر صبر سے قبول کرے اس کا درجہ بڑھانے والی ہوگی۔ ہر دفعہ جب وہ کسی در سے لوٹایا جائے گا تو ایک ایک قدم پر خدا اسے اتنے ثواب عطا فرمائے گا کہ بعض لوگوں کی عمر بھر کی نیکیاں بھی اس طرح ثواب حاصل نہیں کر سکتیں مگر یہ کہ نیتیں صاف ہوں اور بات سیدھی ہو۔ جب بھی کوئی انسان خدا کی خاطر نکلتا ہے تو قول سدید یہ ہے کہ اس کا کسی پر احسان نہیں ہے۔ نہ جماعت پر کوئی احسان ہے نہ اس شخص پر کوئی احسان ہے جس سے وہ کوئی نیک توقع رکھ کر گھر سے نکلا ہے جسے کوئی نیک بات کہنے کے لئے گھر سے نکلا ہے۔ جب یہ رخ انسان اختیار کر لے اور اپنے نفس کا پوری طرح تجزیہ کر کے اپنی نیتوں کو صاف کر کے گھر سے نکلے تو اس کے منہ سے کوئی کڑوی بات نکل ہی نہیں سکتی۔ جب بھی اس کی مخالفت ہوگی خدا کے نام پر اس کے دل میں ایک عجیب سرور کی کیفیت پیدا ہوگی ایک ایسی روحانی لذت پیدا ہوگی کہ باہر کی دنیا کا انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ اس بیچارے کو کیا پتہ کہ میرے اور میرے خدا کے درمیان اس وقت کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں۔ اس بیچارے کو کیا پتہ کہ اس کا ہر دھتکارنا مجھے اپنا سب سے زیادہ پیارے آقا کے نزدیک معزز کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ جو کائنات کا مالک ہے مجھے اس کے قریب کر رہا ہے تو کون سا نقصان کا یہ سودا ہوا ہے۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں عزتیں ہیں، اللہ ہی کے ہاتھ میں ذلتیں ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ خدا کے نام پر نکلے ہوئے انسان کو جب کوئی ذلیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عزت بخشتا ہے، اسے زیادہ محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے، پھر اس کا کیا حق ہے کہ دوسرے پر

احسان جتائے یا کوئی کڑوی بات اس سے کرے۔ایک چیز دوسمتوں میں نہیں بیچی جاتی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ ایک چیز کسی ایک شخص کو فروخت کر کے پھر کسی دوسرے سے بھی اس کے پیسے وصول کرنے کی کوشش کریں۔قول سدید کا تقاضا ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کریں کہ آپ نے اپنی قیمت کس سے وصول کرنی ہے اپنے رب سے یا اس شخص سے جس کو محض خدا کی خاطر آپ سمجھتے ہیں یا ادعا کرتے ہیں کہ کوئی نیک بات کہنے کے لئے نکلے ہیں۔

یہ صرف مالی امور سے تعلق رکھنے والی بات نہیں۔نمازوں کی نصیحت کرنے کے لئے میں نے گزشتہ خطبہ تلقین کی تھی وہاں بھی یہی مسئلہ آپ کو درپیش آئے گا۔عبادت کے لئے آپ کہیں گے کسی کی خاطر اس سے کچھ مانگ بھی نہیں رہے لیکن بسا اوقات بہت سی کڑوی باتیں سننے میں آئیں گی۔اس وقت اپنا دل گردہ مضبوط کریں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے صبر کا عبادت کے ساتھ بڑا تعلق ہے۔نہ صرف یہ کہ ہمت نہیں ہارنی اور صبر کے ساتھ اس پر قائم رہنا ہے بلکہ اپنے ذہن میں یہ بات کھلی کھلی صاف کرلیں کہ جس ذات کی خاطر آپ یہ کام کر رہے ہیں آپ کی ساری نیکی اور سارا اجر اس سے ملنا ہے۔نہ جماعت پر کوئی احسان ہے نہ اس شخص پر کوئی احسان ہے جسے آپ نصیحت کرتے ہیں اس لئے اس پر اپنی نیکی کی برتری جتانا بھی ایک گناہ بن جاتا ہے۔اگر اس رنگ میں آپ اس سے بات کریں کہ بے نمازی! خدا کا خوف نہیں کرتے اور کیا مرداروں والی زندگی بسر کر رہے ہو ایسا بھی لوگ کہہ دیتے ہیں۔

لاہور کے ایک مرحوم عیسیٰ صاحب بزرگ ہوا کرتے تھے بہت دلچسپ باتیں کیا کرتے تھے۔ان کی نماز کے مسئلہ پر کسی سے گفتگو ہوگئی تو گفتگو کے دوران جب بحث تیز ہوگئی تو ایک نے دوسرے کو یہ کہا کہ تو تو ایسا بے نمازی ہے کہ جب تک خدا تجھے یہ نہ کہے کہ ’’اٹھ اُوے سُورا نماز پڑھ‘‘ اس وقت تک تم نماز نہیں پڑھو گے۔اب ان صاحب کی چونکہ سخت کلامی کی عادت تھی اس لئے انہوں نے ’’اٹھ اُوئے سورا نماز پڑھ‘‘ خدا کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ایسی نصیحتیں تو ردعمل پیدا کرتی ہیں۔غصہ غصے کے بچے پیدا کرتا ہے تلخ بات دل میں تلخی پیدا کرتی ہے اور اس نیکی سے بھی محروم کر دیتی ہے جو اس تلخ بات کے اندر لپٹی ہوئی ہے۔ایک بری چیز بھی اگر آپ خوبصورت کاغذ میں لپیٹ کر پیش کریں تو اس کے قبول ہونے کا زیادہ امکان ہے بہ نسبت اچھی بات کے جسے برے کاغذ

میں لپیٹ کر پیش کریں۔

چنانچہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ حسنہ بات حسن طریق پر پیش ہونی چاہئے۔ خوبصورت بات خوبصورت رنگ میں پیش ہونی چاہئے۔ آنحضرت نے بھی نمازوں کی تلقین فرمائی ہے لیکن ایسا درد پایا جاتا ہے اس تلقین میں ایسا، پیار ہے، ایسا تسلسل ہے، ایسا صبر ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کامل حسن کسی نے دیکھنا ہو تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں دیکھے اور حیرت انگیز طور پر ان لوگوں کو جو دنیا میں ڈوبے پڑے تھے ان کو خدا والا بنا دیا اور دیکھتے دیکھتے ان کی کایا پلٹ دی۔ پس نماز کی نصیحت کرنی ہو یا چندوں کی طرف بلانا ہو، خدا کے لئے قربانی کے لئے تحریص پیدا کرنی ہو جو بھی شکل ہو آپ قول سدید کے بغیر اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

سدید کا معنی عملاً سیدھا ہے لیکن اس میں صرف سیدھا پن نہیں پایا جاتا۔ ایسی بات جو دوسری الائشوں سے پاک ہو دوسری کسی چیز کی آمیزش نہ پائی جاتی ہو، سیدھی سادی کھری بات کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو، اس میں ایک بہت بڑی قوت پیدا ہو جاتی ہے، اس میں ایک عظمت پیدا ہو جاتی ہے اور غیر معمولی طور پر کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں۔ دوسری بات اس کے برعکس یہ بنتی ہے کہ جن لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے ان کو بھی اگر قول سدید کی عادت نہ ہو تو وہ نصیحتیں دائیں بائیں اس طرح بکھیر دیتے ہیں جس طرح گتکے کے دو کھلاڑی مقابلہ کر رہے ہوں۔ ایک وار کرنے کی کوشش کرتا ہے دوسرا اس وار کو ٹال دیتا ہے کبھی پینترا بدل کر، کبھی اپنے ڈنڈے سے روک کر اور پوری کوشش ہوتی ہے کہ مجھ پر وار پڑے نہیں۔

چنانچہ نصیحت کے مقابلے میں بھی صرف یک طرفہ کھیل نہیں ہے بلکہ وہ لوگ جن کو نصیحت کی جاتی ہے وہ بھی بڑے بڑے گتکے کے کھلاڑی ہوتے ہیں۔ ان میں بھی ٹیڑھی بات کرنے کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ فوری طور پر نفس کوئی بہانہ ڈھونڈتا ہے اور کوئی نہ کوئی عذر تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ عذر جو ہیں وہ بعض دفعہ تلخی کا رنگ اختیار کر جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ملائمت سے پیش کئے جاتے ہیں مگر دونوں صورتوں میں وہ ٹیڑھا پن ہے ان میں کوئی سچائی نہیں۔ جب یہ بات معاشرے میں پیدا ہو جائے کہ نصیحت سننے والا فوراً بہانہ تلاش کرے اور کوئی عذر تلاش کرے کہ یہ نصیحت میرے دل پر اثر نہ پیدا کرے۔ یہ بات پھر وہیں تک نہیں رہتی اس کا اگلا قدم پھر وہ یہ اٹھاتے ہیں کہ جوابی حملہ کرتے ہیں۔

ایک آدمی نصیحت کرنے گیا ہے کہ آپ کی بیٹی پردہ نہیں کررہی اور بڑا برا اثر پڑتا ہے۔ آج کل احمدیت کس دور میں سے گزر رہی ہے یہ آپ دیکھیں تو سہی اور اسی معاشرہ میں اسی فوج میں جس میں آپ بس رہے ہیں آپ کی بیٹیاں غیر مردوں کے ساتھ خلا ملا کر رہی ہیں، پارٹیوں پر جاتی ہیں اور بجائے قوم کو یہ جواب دینے کے کہ تم سے بہتر ہم مسلمان ہیں جو اسلام کی حفاظت کرنے والے ہیں انہوں نے تو ساری اقدار ہاتھ سے کھودی ہیں اور ہم ہیں جو اس نہایت ہی بدتر حالت میں بھی نہایت دکھوں کی حالت میں زندگی گزارتے ہوئے بھی اسلام کی اقدار کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اس کی بجائے وہ جب ان جیسا بننے کی کوشش کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ عزتیں اس میں ہیں کہ ہمیں قدیم نہ سمجھا جائے ہم ان جیسی ہی بن جائیں۔ شاید اس سے معاشرہ کی تلخی کم ہو جائے تو کتنا برا اثر پڑتا ہے ایک جیتا ہوا میدان آپ گویا عملاً اپنے ہاتھ سے کھودیتے ہیں۔ جب یہ بات کوئی کہتا ہے تو کئی ڈھب سے یہ بات کی جاسکتی ہے۔ بعض نہایت ہی لجاجت سے شرم وحیا کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہماری بھی بہو بیٹیاں ہیں ہم آپ پر کوئی اعتراض نہیں کرنے آئے لیکن ایک چیز ہے جو مجھے تکلیف دے رہی ہے۔ بعض لوگ کھل کر بات کرتے ہیں لیکن تلخی بیچ میں شامل کر لیتے ہیں۔ لیکن جواب دینے والوں کا حال بھی ان سے کم نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو جب آپ اس قسم کی نصیحت کرتے ہیں تو جواباً یوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈنڈا مارا گیا ہے۔ کہتے ہیں تمہاری بیٹی جو فلاں وقت فلاں جگہ دیکھی گئی تھی اس کی ہوش نہیں کرتے۔ تمہاری پھوپھی نے یہ کیا، تمہاری ماں نے یہ کیا، تمہاری بہن نے یہ کیا اور آئے ہو مجھے نصیحت کرنے کے لئے۔ تو دونوں طرف سے ایک دنیاوی مقابلہ تو شروع ہو جاتا ہے، نیکی کے ساتھ نہ نصیحت کرنے والا کا تعلق رہتا ہے نہ نصیحت سننے والے کا تعلق رہتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اگر بات حق ہے تو اس پر کیا ردعمل ہونا چاہئے؟ قول سدید کرنے والے کا ردعمل یہ ہوگا کہ وہ کہے گا کہ میں نے سن لیا ہے مجھے علم ہے یا مجھے علم نہیں تھا تو آپ نے بتا دیا اور آپ بھی دعا کریں میں بھی دعا کرتا ہوں اور کوشش کرتے ہیں اور مشورہ کرتے ہیں کس طرح اس بچی کی اصلاح کی جائے۔ یہ قول سدید ہے۔ لیکن جو اطلاعیں مجھے ملتی ہیں بدقسمتی سے اکثر صورتوں میں نصیحت کرنے والے نے کم عقلی سے کام لیا ہوتا ہے اور بات کو ٹیڑھا کر کے پیش کیا ہوتا ہے اور نصیحت سننے والا ایسا خوفناک ردعمل دکھاتا ہے گویا اس کی ذات پر حملہ کیا گیا ہے اسے نصیحت نہیں کی گئی۔ نتیجۃً

معاشرہ اور برائیوں سے بھرنے لگتا ہے۔ طعن و تشنیع، مقابلے، ایک دوسرے سے عناد، یہ خیال کہ اس شخص نے میرے متعلق یہ بات کہی ہے اور بھی کی ہوگی گویا مجھے معاشرہ میں بدنام کرتا ہے۔ میں اس کے اندر کیڑے نکالوں، میں اس کی برائیاں لوگوں کو بتاؤں۔ تو یہ عجیب نصیحت ہے کہ جو معاشرہ کو برائیوں سے پاک کرنے کی بجائے مزید برائیاں بھرتی چلی جاتی ہیں۔

اس لئے نصیحت کرنے والے پر جہاں ضروری ہے کہ وہ بھی قول سدید سے کام لے وہاں نصیحت سننے والے کا بھی یہ کام ہے کہ غور کرے کہ آخر یہ شخص کیوں مجھے کہہ رہا ہے۔ اگر وہ یقین بھی رکھتا ہو کہ بدنیت سے کہہ رہا ہے تو بات پر غور کرے کہ بات سچی ہے یا نہیں سچی۔ اگر بات سچی ہے تو بدنیت کا کہنا ہو یا اچھی نیت کا کہنا ہو اس کے فائدے میں ہے اس لئے اچھی بات کو قبول کرنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: الحکمۃ ضالۃ المومن (سنن ترمذی کتاب العلم حدیث نمبر ۲۶۱۱) حکمت کی بات تو مومن کی گم شدہ اونٹنی کی طرح ہے۔ وہ جہاں سے بھی ملے گی اسے قبول کرنا ہوگا اور قبول کیا جاتا ہے۔ یہ تو کوئی نہیں کہتا کہ کسی دشمن کی طرف سے مجھے اونٹنی ملی ہے، میری اونٹنی تھی مگر دشمن نے دی ہے اس لئے میں نہیں لوں گا۔ تو نصیحت کی بات بھی حکمت کی بات ہوتی ہے اور اسے مومن کو اپنی سمجھ کر قبول کرنا چاہئے۔

یہ بیماری بدقسمتی سے عموماً مستورات میں زیادہ پائی جاتی ہے اور لجنہ کی رپورٹوں میں اس قسم کی شکایات نسبتاً زیادہ ملتی ہیں اور دونوں طرف یہ بڑی نمایاں طور پر بیماری دکھائی دیتی ہے کہ نصیحت کرنے والیاں بھی عموماً کچھ نہ کچھ اینچ پینچ رکھ لیتی ہیں اور جن کو نصیحت کی جاتی ہے وہ بھی پھر آگے سے ویسے ہی ردعمل دکھاتی ہیں۔ مثلاً پردے کے سلسلہ میں رپورٹیں ملتی ہیں اور بعض اطلاعیں تکلیف دیتی ہیں کہ بعض خاندانوں میں جہاں پہلے پردہ شروع کیا گیا تھا اب وہ سمجھتے ہیں کہ اب دیکھ بھال کی نظر دور ہوگئی ہے اس لئے بے شک اب بے پرواہ ہو جائیں اور بعض بچیاں پردوں میں واپس آکر پھر باہر نکلنی شروع ہوگئی ہیں۔ ان کے متعلق جو اطلاعیں ملتی ہیں اس سے میں سمجھتا ہوں کہ نصیحت کرنے والیوں کا بھی قصور ہے۔ قول سدید سے ہٹنے کا ایک یہ بھی منظر وہاں نظر آتا ہے کہ قول سدید تو اس کی طرف رخ رکھنا چاہئے جس تک بات پہنچانی ہو مگر عورتیں قول سدید چھوڑ کر وہاں بات پہنچاتی ہیں جہاں پہنچانے کا تعلق ہی کوئی نہیں۔ یعنی قول سدید کا یہ معنی ہے کہ تمہارا نشانہ سیدھا ہو۔ جس سے تعلق

ہے اس تک بات پہنچاؤ۔ یہ مطلب تو نہیں کہ بے تعلق جگہوں پہ بات پہچانی شروع کرو۔ ہر طرف تیر چلے سوائے نشانے کے اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ مہینوں گزر جاتے ہیں وہ بدی بڑھ رہی ہوتی ہے اس تک پہنچ کر اسے ہمدردی کے ساتھ نصیحت کرنے والا کوئی نہیں ملتا اور سارے معاشرے میں یہ باتیں شروع ہوتی ہیں کہ دیکھو فلاں کی بیٹی ہے۔ فلاں ہے، فلاں ہے، فلاں عہدیدار سے اس کا تعلق ہے اور اس طرح بے حیائی کر رہی ہے، اسے کوئی نہیں روکتا۔ نتیجۃً اس کا دوہرا نہیں بلکہ کئی گنا زیادہ گناہ ایسی بات کرنے والے کو ہو رہا ہوتا ہے۔

اول تو جس مقصد کی خاطر نصیحت ہونی چاہئے یا تنقید ہونی چاہئے اس مقصد کا اس تنقید سے کوئی بھی تعلق نہیں رہتا۔ دوئم معاشرہ میں مایوسی پیدا ہوتی ہے، فحشاء پھیلتی ہے، لوگ یہ ظن کرنے لگتے ہیں کہ بعض عہدیدار دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اپنی بچیوں کو نصیحت نہیں کرتے۔ دوسروں کے اوپر باتیں کرتے ہیں اگر وہ کرتے ہوں اور اپنوں کی ان کو کوئی فکر نہیں اور یہ جو تبصرہ ہے اگر درست بھی ہو تو جو برائی میں ملوث ہے نہ اس کو پہنچ رہا ہے نہ اس عہدہ دار کو پہنچ رہا ہے جس کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں اور جن تک پہنچتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاں پھر کھلی چھٹی ہے، اگر یہ ہوتا ہے تو پھر اسی طرح چلے پھر ہم کیوں کریں اس طرح۔ گویا کہ حسن کا نمونہ پکڑنے کی بجائے بدی کا نمونہ پکڑنے کا رجحان معاشرہ میں پھیلنے لگتا ہے اور یہاں بھی چونکہ نصیحت قول سدید سے ہٹ گئی ہے اس لئے دیکھ لیجئے کہ اچھائی کی بجائے برائی پیدا کر دی۔ معاشرہ سے خرابی دور کرنے کی بجائے اس میں ایک بدی کا اضافہ کر دیا بلکہ کئی بدیوں کا اضافہ کر دیا اور غیبت کے نتیجے میں جو ایک بدی کا الگ گناہ ہے وہ بھی کمایا جاتا ہے۔

تو نصیحت سے قول سدید کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ کسی پہلو سے کسی صورت میں بھی اس کو آپ بھلا نہیں سکتے۔ اگر بھلائیں گے تو شدید نقصان پہنچے گا۔ جس شخص سے تعلق ہے بات کا سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تک پہنچائی جائے اور پہنچائی اس طریق پر جائے کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ کوئی شریکے کا غصہ اتار رہا ہے، مجھ سے کوئی اور بدلہ اتارا جا رہا ہے یا نیچا دکھایا جا رہا ہے۔ ایک دو تین چار پانچ جتنی دفعہ بھی ممکن ہو کوئی شخص اس کو ملے اور محبت اور پیار اور ادب کے ساتھ اس کو علیحدگی میں بتائے کہ آپ کے اندر یہ کمزوری ہے جو اچھی بات نہیں اور ہر ایک اس طرح کرنے کی کوشش کرے جو بھی اس کے ماحول میں بستا ہے۔ تو پھر دیکھیں کہ معاشرے کی طرف سے کتنا عظیم دباؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ زندگی

ایسے شخص کی بدمزہ ہو جاتی ہے جسے ہر طرف سے نصیحت مل رہی ہو۔ اسے کسی طرح اپنی بدی کا مزہ نہیں آتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بدی Enjoy کرنے کے لئے ،اس کا لطف اٹھانے کے لئے بھی معاشرہ کی دخل اندازی نہ ہو زیادہ دلچسپ ماحول میسر آتا ہے۔ چنانچہ جن معاشروں میں بدیاں خوب لذت کے ساتھ مگن ہو کر کی جاتی ہیں اس معاشرہ کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے میں بالکل دخل نہیں دیتے ،ایک دوسرے کو روکتے نہیں ہیں۔ چنانچہ جہاں جہاں جس جس معاشرہ میں بدی کی لذت پائی جاتی ہے وہاں یہ دوسرا پہلو بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔ یورپ آپ کے سامنے پڑا ہے، امریکہ آپ کے سامنے ہے دیگر قوموں میں بھی صرف یورپ امریکہ کا اب سوال نہیں رہا۔ جن کو پسماندہ قومیں کہتے ہیں ان میں بھی یہ بات پھیل گئی ہے کہ بدی کے مزے لوٹو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کوئی دوسرا اس میں دخل نہ دے۔ کسی کا آپ کو کچھ کہنے کا کوئی حق نہیں۔ کیوں اس بات کی احتیاط کی جاتی ہے؟ اس لئے کہ بدی کا مزہ ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے اگر کوئی دوسرا کہنا شروع کر دے کہ آپ نے نہیں کرنا۔ یہاں تک کہ آدمی بیزار ہو جاتا ہے کہتا ہے دفع کرو اس چیز کو۔ ہر طرف سے لوگ یہ آواز اٹھا رہے ہوتے ہیں کہ دیکھیں آپ یہ کام نہ کریں، آپ یہ کام نہ کریں۔ آپ یہ کام نہ کریں۔

چنانچہ قرآن کریم جب فرماتا ہے۔ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ (الاعلیٰ:۱۰) تو اس کا ایک یہ بھی معنی ہے۔ ذَكِّــــــــرْ میں شدت بھی پائی جاتی ہے۔ کثرت کے ساتھ نصیحت کرو ہر طرف سے نصیحت کی آواز اٹھنی چاہئے۔ اور بڑے زور کے ساتھ اٹھنی چاہئے۔ جب تم یہ کرو گے تو لازماً اس کا اثر پڑے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ معاشرہ میں ہر طرف آواز اٹھنی شروع ہو جائے اور وہ آواز بے اثر جائے۔

پردہ ہو یا کوئی دوسری ایسی نیکی ہو جس سے بعض طبقے محروم رہ رہے ہیں ان کو دوبارہ اس نیکی پر قائم کرنے کے لئے قول سدید کا اختیار کرنا اشد ضروری ہے۔ آپ ان کے متعلق باتیں کرتے ہیں لیکن ان تک نہیں پہنچاتے۔ جن تک پہنچاتے ہیں ان کو بد بنانے کے لئے پہنچاتے ہیں۔ معاشرہ میں اور گند بھرنے کے لئے پہنچاتے ہیں۔ اپنی زبان کے چسکے کے لئے بظاہر آپ نے ایک نیکی کا کام پکڑا ہوا ہے جو سارے معاشرے کو تباہ کر دے گا۔ اس لئے وہاں ستاری سے کام لینا چاہئے بجائے

اس کے کہ فحشاء کریں۔اس موقع پر ایک ستاری کی صفت ہے اسے بھی تو اپنایا کریں بجائے اس کے کہ کسی کی بدی کھول کھول کر لوگوں میں بیان کرنا شروع کریں۔

ستاری کا معنی یہ ہے کہ لوگوں سے چھپائیں اور اس سے بھی علیحدگی میں بات کریں اور درد دل کے ساتھ بات کریں اور بار بار کریں۔وہ ناراض بھی ہو تو ہمدردی سے کہیں کہ دیکھیں ہمارا تو کام ہے، ہمیں تو خدا نے اس کام پر مقرر فرمایا ہے ہم تو آپ کو کہیں گے۔لوگوں کے گھروں میں اس نیت سے جائیں گے ایک جاتا ہے، دوسرا جاتا ہے، ایک خاتون آتی ہے تو کوئی دوسری چلی جاتی ہے۔اور بار بار آ کر کسی بی بی کو سمجھا رہی ہیں کہ بی بی آپ نے یہ فعل کیا ہے مزہ نہیں آیا یہ اچھی بات نہیں ہے آپ دیکھ نہیں رہیں کہ احمدیت پر کیا حالات ہیں لوگ انگلیاں اٹھائیں گے اور کچھ نہیں تو شماتت اعداء کی خاطر ہی اس سے بچنے کی خاطر ہی آپ کچھ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔اس نیت سے اگر آپ چھپیں گی تو وہ کوئی منافقت تو نہیں وہ تو ایک نیک ارادہ کی خاطر اپنی بدی پر پردہ ڈھانپنے والی بات ہے۔اور کچھ نہیں تو یہی سہی۔یہ نصیحت براہ راست اس کو دور کرنے کی نصیحت، قرآن کریم کی کوئی آیت تلاش کر کے اس کا ترجمہ بتانے کی ضرورت ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کوئی عبارت لے کر اس سے مرصع ہو کر نکلے اور وہ جا کر اس کے سامنے پیش کرے، نصیحت کے کئی طریقے ہیں بڑے اچھے اچھے اور پیارے پیارے۔ان سب کو آپ اختیار کریں تو پھر رپورٹوں کی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

لیکن پھر اگر رپورٹ کرنی ہے تو پھر طریق کار کے مطابق رپورٹ کریں۔جس جماعت کے عہدیدار سے اس کا تعلق ہے اس کے پاس پہنچیں اسے بتائیں کہ ہم یہ یہ کوششیں کر چکے ہیں، اب ہمارے بس کی بات نظر نہیں آتی، آپ کوشش کریں کہ کوئی قدم اٹھایا جائے اس کی بجائے اچانک پہلے تو لوگ معاشرہ کو خود گندہ کرتے ہیں اور پھر اچانک یہ توقع رکھتے ہیں کہ فوراً اس شخص کو کاٹ کر جماعت سے باہر پھینک دیا جائے۔یعنی یہ ہمدردی ہے اور تمہارے تقویٰ کا یہ رخ ہے کہ جب تک عضو بیمار تھا اس کو صحت مند کرنے کی طرف تو توجہ کوئی نہیں کی اور جب کاٹنے کا وقت آیا ہے تو بڑی دلیری کے ساتھ جس طرح بڑا آسان کام ہے جماعت سے کاٹ کر الگ کرنا اس طرح تم اس کو کاٹ کر الگ پھینکنا چاہتے ہو۔کوئی سچی ہمدردی نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ مومن کا حال تو ایک بدن کا حال ہے ایک انگلی کو بھی تکلیف ہو تو سارا بدن بے چین

ہو جاتا ہے (صحیح مسلم کتاب البر والصلہ باب تراحم المؤمن و تعاطفھم) یہ بے چینی اگر محسوس ہو تو کبھی ہو نہیں سکتا کہ انگلی کو کوئی تکلیف ہو تو انسان کہے کہ کوئی بات نہیں ہوتی ہے بلکہ Enjoy کرنا شروع کرے اس پر لطف اٹھانا شروع کر دے کہ بڑا مزہ آ رہا ہے اس کو تکلیف ہے اب اس کو اور بھی اگر انگلی سمجھ سکتی ہے تو اس کو طعنے بھی دوں گا کہ دیکھ لیا تم یہ کس مزے میں تم زندگی بسر کر رہی ہو۔ تم نے یہ حرکت کی تھی اب یہ اس کا دکھ اٹھا رہی ہو۔ یہاں تک کہ تکلیف بڑھنی شروع ہو جائے بڑھتی چلی جائے۔ پھر وہ خوشی خوشی ڈاکٹر کے پاس جائے کہ اب اس کو کاٹو اور پھینکو۔ پاگل پن کے سوا اس رویے کو اور کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

پس بدن کی مثال دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معارف کا ایک اور مضمون بھی ہم پر کھول دیا۔ اصلاح معاشرہ کے اندر جو مخفی امور کارفرما ہیں ان پر ایک اور جہت سے بھی روشنی ڈال دی۔ آپ نے فرمایا کہ تم دوسروں سے بھی معاشرہ کی اصلاح کے وقت ویسا ہی سلوک کرو جیسا اپنے بدن کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عضو سے کرتے ہو۔ مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے جب قول سدید سے بات ہٹتی ہے تو پھر خرابیوں پر خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں اصل نشانے پر نہیں لگتی اور غلط نشانوں پر لگتی ہے، جس کو بچانا ہے اس کو بچانے کی بجائے دوسروں کو مارنا شروع کر دیتی ہے۔ تو بیمار انگلی ہو اور آپ ہاتھ یا بازو کاٹ دیں ویسی ہی بات ہوگئی۔ اردو میں محاورہ ہے ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ'' کہ ماروں گھٹنا تو آنکھ پھوٹ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ نیت کسی اور چیز کی کروں اور نقصان کسی اور جگہ ظاہر ہو جائے۔ تو ایسی نصیحتیں تو اسی قسم کا اثر دکھاتی ہیں کہ جس جگہ جس بیمار حصے کی اصلاح مقصود ہو اس کی تو نہیں کر سکتیں اور جو صحت مند حصہ بیچارا بچا ہوا تھا اس کو بیمار کر دیتی ہیں۔

لین دین کے معاملات ہیں ان میں بھی یہی کیفیت ہے۔ اکثر لین دین کے معاملات میں خرابیوں کی جڑ ٹیڑھی بات ہے۔ جب دو آدمی مل کر ایک کام کرتے ہیں یا کوئی لین دین کا معاملہ کرتے ہیں تو شروع میں ہی ٹیڑھی باتیں ہیں، ملمع کاری کی باتیں ہیں جو آئندہ خرابیوں کی بنیاد ڈال دیتی ہیں اور جب معاملہ حد سے گزر جاتا ہے پھر وہی مطالبے دونوں طرف سے شروع ہو جاتے ہیں کہ اب اس کو کاٹو اور پھینکو۔ یہ اچھا احمدی معاشرہ ہے جس میں اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بسا اوقات خرابی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ صرف ایک طرف سے نہیں ہوتی۔ ایک شخص

دھوکہ دے کر لالچ دیتا ہے دوسرا عمداً سمجھتے ہوئے کہ یہ طریق کار اسلام میں جائز نہیں ہے اس لالچ کو قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ لین دین کے بہت سے ایسے معاملات ہیں جن میں دونوں طرف کی ایسی خرابیاں موجود ہیں۔ایک فریق اپنے آپ کو کلیۃً معصوم سمجھ رہا ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہوتا۔

مثلاً کئی معاملات ہیں، ایک میں مثال آپ کو کھول کر بتا تا ہوں کہ ایک شخص آیا ہے وہ کہتا ہے میرے ساتھ تجارت کرو اور میں تمہیں پچیس فیصدی یا چالیس فیصدی سالانہ منافع دوں گا۔اب ظاہر بات ہے کہ چالیس فیصدی سالانہ دینا اور اس کا نام منافع رکھنا یہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب Fixed Profit ہے، جب نفع معین ہو گیا تو اس کو نفع کہنے کا تو پھر حق ہی نہیں باقی رہتا۔اس کو تو اسلامی اصطلاح میں سود کہا جاتا ہے۔ مدت معین ہو گئی، نقصان کا کوئی احتمال باقی نہیں چھوڑا، رقم معین ہو گئی اور منافع نام رکھ دیا۔اب کوئی دوسرا آدمی جو جان کر بھولا بن جائے اور منافع کہہ کر اس کو قبول کر لے اور بعد میں مقدمے لے کر جماعت کے پاس آجائے کہ یہ مجھ سے تو بڑا دھوکہ ہو گیا ہے، وہ بڑا شریف آدمی بنتا تھا اور اس طرح میرا منافع کھا گیا ہے تو تقویٰ سے کام نہیں لیتا۔اس کو سوچنا چاہئے کہ منافع کیا تم نے سودخوری کی خاطر ایک بہانہ ڈھونڈا تھا اور تمہاری اس بدی سے اس نے فائدہ اٹھایا۔اگر تم میں تقویٰ ہوتا تو اسی وقت تم سمجھ جاتے کہ یہ معاملہ غلط ہے۔تم کہتے کہ اس اصول پر میں ہرگز کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔اگر منافع ہوتا ہے تو منافع ہوگا اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان ہوگا اور میں ایسے ذرائع اختیار کروں گا کہ میرا روپیہ تمہارے پاس محفوظ رہے۔ یہ چیز ذرائع کو محفوظ کرنا اور عقل سے کام لینا اور ایسی ضمانتیں طلب کرنا کہ جس سے روپیہ نقصان میں نہ جائے تب ہی پیدا ہوسکتی ہے اگر نفس انسان کو دھوکا نہ دے۔پچیس فیصدی یا چالیس فیصدی کی لالچ ایسا مغلوب کر دیتی ہے آدمی کو کہ آدمی سمجھتا ہے کہ اگر یہاں میں نے سودا بازی کی تو یہ پھر مجھے چھوڑ دے گا، کسی اور کے پاس چلا جائے گا اس لئے عملاً شروع میں ہی اپنے نقصان کے اقدامات وہ خود کر لیتا ہے اور اس بات کی ہمت نہیں پاتا کہ اس سے کھل کر ضمانتیں طلب کرے۔

چنانچہ جب یہ معاملہ آگے بڑھتا ہے تو لازماً اس معاملہ نے بدی پر منتج ہونا ہے کیونکہ اس کا آغاز ہی بدی ہے اور جب ہو جاتا ہے تو پھر دونوں فریق جماعت سے اپنے حق میں فیصلے چاہتے ہیں اور اگر کسی کے حق میں فیصلہ نہ ہو تو کہتا ہے دیکھ لو یہ انصاف ہے۔ ہر معاملہ جس کی آپ چھان بین

کریں گے، ہر معاملہ جس کی تہ تک اتریں گے وہاں آپ کو قول سدید سے ہٹنا دکھائی دے گا۔قول سدید سے پہلا قدم ہٹ جاتا ہے تو معاملہ کا رخ بدل جاتا ہے۔مقصد گندا ہو جاتا ہے رخ ہی تبدیل ہو جاتا ہے اس لئے پھر اس کے اچھے نتائج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے لین دین کے معاملات ہوں اس میں بھی قول سدید ضروری ہے اور چھان بین کرنی چاہئے ۔ یہ درست ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی شکایتیں کم ہوگئی ہیں لیکن ہیں ابھی تک اور اس فضا میں یہ بہت ہی زیادہ تکلیف دیتی ہیں۔ پہلے بھی دیتی تھیں لیکن اب تو بہت ہی زیادہ حیرت ہوتی ہے کہ یہ کوئی دن ہیں احمدیوں کے آپس میں لڑنے کے یا بد معاملگیاں کرنے کے۔

آپس میں معاملات درست کروا پنے خدا کے ساتھ معاملے درست کرو، تقویٰ سے کام لو، بعض نیکیاں بعض دنوں میں عام فائدہ دیتی ہیں مگر بعض دنوں میں بہت ہی زیادہ فائدہ دیتی ہیں۔اسی طرح بعض بدیاں ہیں جو عام دنوں میں ایک نقصان رکھتی ہیں لیکن بعض دنوں میں بہت ہی زیادہ نقصان رکھتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کی بعض بدیاں جو سبت کے دن وہ کرتے تھے وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں غیر معمولی طور پر آئیں اور قرآن کریم نے بار بار ان کا ذکر فرمایا کہ سبت کا دن جو خاص عبادت کا دن تھا اس میں وہ لوگ ان بدیوں میں ملوث ہوتے تھے تو بعض زمانے ہوتے ہیں وہ بھی یہی تقدس اختیار کر جاتے ہیں جیسے سبت کا تقدس تھا کسی زمانہ میں یا اب جمعہ کا تقدس ہے۔ان زمانوں میں خصوصی احتیاط کی ضرورت ہے۔ عام حالات میں بھی معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھانا اور صاف ستھرا رکھنا ایک مومن کا خاصہ ہونا چاہئے لیکن ان حالات میں بد معاملگیاں تو بہت ہی زیادہ تکلیف دہ صورت پیدا کر دیتی ہیں۔

پھر معاشرہ کے اندر جو میاں بیوی کے تعلقات میں یا بچوں کے اور ماں باپ کے تعلقات میں دکھ ہیں وہ بھی اس لائق ہیں کہ ان کی طرف جماعت خصوصی توجہ دے۔ بہت سی شکایات ایسی ملتی ہیں بعض ماؤں کی طرف سے ہیں، بعض باپوں کی طرف سے ہیں اپنے بچوں کے متعلق یا اپنی بہو بیٹیوں کے متعلق۔اسی طرح برعکس معاملہ ہے کہ بیوی کی خاوند کے خلاف شکایت ہے خاوند کی بیوی کے خلاف شکایت ہے اور ان سب معاملوں میں کچھ نہ کچھ کجی پائی جاتی ہے۔اکثر تو میں نے دیکھا ہے کہ شادی کا معاملہ جب طے ہو رہا ہوتا ہے ساری خرابیوں کا بیج اس وقت بودیا جاتا ہے۔اکثر

شکایتوں میں یہ بات نظر آتی ہے کہ جب شادی ہوئی تھی تو ہمیں یہ بتایا گیا تھا اور اب یہ نکلا۔ کبھی بیوی شکایت کرتی ہے، کبھی خاوند یہ شکایت کرتا ہے کہ فلاں بیماری ہم سے چھپائی گئی۔ اب جب یہ گھر آئی تو پتہ لگا کہ اس بیماری میں ملوث ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو میری طبیعت اس کو برداشت نہیں کرسکتی۔ میں کیا کرسکتا ہوں۔ بعض دفعہ بتایا جاتا ہے کہ یہ کہا گیا تھا کہ مالی لحاظ سے یہ حیثیت رکھتا ہے اور بڑے سبز باغ دکھائے گئے تھے۔ جب ہم نے شادی کر لی تو پتہ چلا کہ بالکل برعکس قصہ ہے۔ تو ایسے معاملات بھی ہیں جس کی وجہ بہت سے گھر دکھوں کا گھوارہ بن گئے ہیں۔

اور بعض بچیاں ہیں بے چاری ان کی زندگی اس طرح کٹ رہی ہے کہ ایک بچہ یا ایک بیٹی ہے وہی ان کی امیدیں ہیں، وہی ان کی زندگی کا سرمایہ ہے، وہی ان کا بالآخر دلداری کا کوئی سہارا ہے اور باپ ہیں جو اس معاملے میں بھی ان کو دکھ دینے سے باز ہی نہیں آرہے۔ بچے کے ذریعے مسلسل تکلیف دیتے چلے جارہے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے بالکل صاف طور پر فرمایا ہے کہ کوئی والدین میں سے ایسا نہ ہو جس کو اس کے بچے کی طرف سے تکلیف دی جائے۔ بچے کی طرف سے تکلیف ایک بہت ہی زیادہ گہرا زخم ڈالنے والی تکلیف ہے، گہرا زخم لگانے والی تکلیف ہے۔ اس لئے اس کی احتیاط کرنی چاہئے۔ میں نے دیکھا ہے بعض خاوند جو بیویوں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، وہ دوسری شادیاں بھی کر لیتے ہیں ان کی اولاد بھی ہو جاتی ہے لیکن بغیر وجہ کے محض اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں قانون ہمیں حق دیتا ہے وہ اصرار کر کے تکلیف دے کر ماں سے بچوں کو علیحدہ کرتے ہیں۔

وہ حق ایک الگ بات ہے، انسانیت اور تقویٰ اور شرافت اور حسن واحسان کا سلوک ایک الگ معاملہ ہے۔ قاضی کے سامنے جب یہ معاملہ جائے گا تو بعض دفعہ قاضی قانوناً یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوگا لیکن صرف انصاف کا معاملہ تو کوئی چیز نہیں ہے۔ قرآن کریم انصاف پر کہاں ٹھہرتا ہے قرآن کریم تو اس انصاف کے مضمون سے نکل کر معاشرہ کو حسن واحسان کے مضمون میں داخل کر دیتا ہے، قرآن کریم تو حسن واحسان کے مضمون سے آگے قدم بڑھا کر معاشرے کو اِیْتَاۤءِ ذِی الْقُرْبٰی کے مضمون میں داخل کر دیتا ہے آپ اس وقت وہ ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ آپ کا مستقبل ہے آپ کے دل لگانے کے سامان ہیں، آپ کے اور ذرائع ہیں، اس بے چاری کے پاس اور کچھ بھی نہیں رہا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ہاں اگر نیکی اور بدی کا معاملہ ہوا گر یہ

خطرہ ہو کہ وہ عورت شریعت کے معاملہ میں باغیانہ رویہ رکھتی ہے، اولاد کا دین خراب ہو جائے گا اس کا مستقبل تباہ ہو جائے گا پھر بالکل اور معاملہ ہے لیکن بسا اوقات یہ نہیں ہوتا بلکہ محض ایک دشمنی ایک انتقام دکھ دینے کا ارادہ ان چیزوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور صرف حق کی بحث ہو رہی ہوتی ہے۔

حق کی بحث کرنے والوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے حضور بھی حق کی بحثیں چلائیں گے؟ اگر حق مانگیں گے تو آپ کے پلے کچھ بھی نہیں رہے گا۔ احسان مانگیں گے تو پھر آپ کی بخشش کی توقع ہوسکتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے مقابل پر تو کسی کا حق نہیں ٹھہر سکتا۔ جو کچھ اس نے دیا ہے وہ اتنا زیادہ ہے اور جو کچھ اس کے لوازمات ہیں وہ ممکن نہیں کہ آپ ادا کرسکیں۔ خدا کی دین کے مقابل پر جو حقوق آپ پر قائم ہوتے ہیں اس کا ہزارواں لاکھواں حصہ بھی آپ ادا نہیں کرتے۔ تو حق کی بات چلاتے ہیں، اس طرح انصاف کی بات چلاتے ہیں تو پھر خدا کے سامنے بھی انصاف کی توقع لے کر جائیں، پھر حسن واحسان کا معاملہ بھول جائیں۔

احمدی معاشرہ محض انصاف پر قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ تو پہلا قدم ہے پہلے اس کو انصاف سے بھریں، پھر اگلے قدم اٹھائیں حسن واحسان سے بھر دیں، پھر اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی کا مضمون اس میں پیدا کریں، اس سے احمدیت کو سجائیں، پھر ان قوموں کا استقبال کریں جن کو آپ اسلام کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان چیزوں سے عاری معاشرہ ہو اور دعوت عام ہو کہ ہماری طرف آؤ یہ نہایت ہی بیوقوفوں والی بات ہوگی، دنیا سے دھوکا کرنے والی بات ہوگی۔ کیوں وہ آپ کی طرف آئیں؟ آئیں تو آپ کا نہیں بلکہ اسلام کا منہ گندا سمجھتے ہوئے، اسلام کا منہ کالا دیکھتے ہوئے آئیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ آپ اسلام کا نمائندہ ہیں۔ آپ کے معاشرہ کی بدیاں دیکھیں گے تو وہ سمجھیں گے کہ یہی اسلام ہے اور یہی ہوتا بھی ہے۔ آج یورپ میں اسلام کے ساتھ ہر جگہ یہی سلوک ہو رہا ہے۔ کوئی مسلمان ملک ہے۔ کوئی مسلمان علاقہ ہے، کوئی مسلمان قوم ہے یا لوگ ہیں جو یہاں آکر بس گئے ہیں ان کے اعمال سے وہ اسلام کا چہرہ دیکھتے ہیں اور پھر اسلام پر مذاق اڑاتے ہیں اور اسلام کو گندا سمجھتے ہیں، ہزار ہزار قسم کے طعنے دیتے ہیں۔ ان پر یہ بات سجتی نہیں! درست ہے۔ لیکن آپ تو ان کی اصلاح کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں آپ پر کیسے سج جائے گی؟ ان سے تو توقعات ہیں نہیں کیونکہ انہوں نے وقت کے امام کا انکار کر دیا ہے۔ آپ نے تو انکار نہیں کیا، آپ تو اٰمنّا و صدقنا کہنے والوں میں ہیں اس لئے

آپ سے توقعات اور قسم کی ہیں۔

ان ساری برائیوں کا جن کا میں نے ذکر کیا ہے سدباب کرنا بحیثیت مجموعی جماعت احمدیہ کا کام ہے اور آپ میں سے ہر فرد بشر کا کام ہے اس لئے قول سدید کا دامن پکڑ لیں۔ جب آپ بات کہنے لگیں تو اپنے نفس کا تجزیہ بھی کیا کریں کہ میں کیوں یہ بات کہہ رہا ہوں۔ بسا اوقات آپ محسوس کر لیں گے اگر تقویٰ کے ساتھ اپنا تجزیہ کریں گے کہ آپ کی بات میں کوئی کجی تھی۔ بسا اوقات آپ فیصلہ کر لیں گے کہ نہیں! چھوڑ ہی دو اس بات کو مزہ نہیں آیا اس بات میں۔ اس بات میں وہ حسن نہیں ہے جو اسلام مجھ سے چاہتا ہے۔ پھر جب آپ سے کوئی بات کہی جائے تو بالکل اس کے برعکس مخالف پر حسن ظنی کی کوشش کریں اور اپنے اوپر بدظنی رکھیں اس معاملے میں کہ ہاں ہوسکتا ہے مجھے پتہ نہ ہو۔ ہوسکتا ہے میری برائیاں مجھ میں چھپی ہوئی ہوں اور میں تلاش کروں اور کریدوں تو وہ نکل آئیں۔ مگر نصیحت کرنے والے کو میں نے صرف شکریہ کہنا ہے، اس کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی۔ یہ رجحان پیدا کریں اور بسا اوقات آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ اندر برائیاں ہوتی ہیں۔ انسان کو بے وجہ دفاع کرنے کی ایسی گندی عادت پڑ جاتی ہے کہ اس کی فطرت ثانیہ ہو جاتی ہے۔ وہ برائی اپنے اندر رکھتے ہوئے بھی پہلا ردعمل یہ دکھاتا ہے کہ نہیں مجھ میں نہیں میں نے جو یہ بات کی ہے۔ بالکل نہیں مجھ میں تو ایسی بات کوئی نہیں، عادت بن جاتی ہے۔ تو معاشرہ کی اصلاح کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے آپ کی حکمت کو بھی تیز ہونا پڑے گا۔ تجزیے کی طاقتوں کو آپ کو صیقل کرنا پڑے گا۔ تقویٰ اختیار کرنا پڑے گا۔

یاد رکھیں آخری بات یہ ہے کہ **خالی قول سدید کوئی چیز نہیں ہے جب تک تقویٰ کے ساتھ اس کا پیوند نہ ہو**۔ یہ جتنی باتیں میں نے کہی ہیں قول سدید کے نام پر تقویٰ کے ساتھ تعلق رکھیں تو اصلاح معاشرہ ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ یہ معلوم کر کے تعجب کریں گے کہ وہ قومیں جن میں بہت بدیاں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً شمالی یورپ ہے اس میں قول سدید کا معیار ہماری قوموں کی نسبت بہت اونچا ہے۔ انگلستان میں بھی، جرمنی میں بھی، سکینڈے نیوین ممالک میں بھی اور کئی قومیں ہیں جن میں قول سدید کا معیار اکثر مشرقی قوموں کی نسبت بہت اونچا ہے لیکن برائیاں پھر بھی ہیں۔ تو یہ آخری بات ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ قول سدید فی ذاتہ برائیاں دور کرنے کا اہل نہیں ہوتا

جب تک اس کا تقویٰ سے پیوند نہ ہو۔ یہ وہ ہتھیار ہے جب تقویٰ کے ہاتھوں میں آتا ہے پھر یہ برائیوں کی جڑیں کاٹتا ہے اور حسن کو ابھارتا ہے اور اگر یہ تقویٰ کے ہاتھ میں نہ ہو تو پھر برائیوں کے اضافہ کا بھی موجب بن جایا کرتا ہے۔ وہاں قول سدید کا یہ مطلب ہو جاتا ہے کہ تم اپنے کام سے کام رکھو میں اپنے کام سے کام رکھوں یہ برائی مجھے اچھی لگتی ہے میرا حق ہے میں اختیار کروں گا۔ یعنی قول سدید رفتہ رفتہ بے حیائی کے لئے استعمال ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ٹھیک ہے سارے کرتے ہیں میں بھی کروں گا کوئی بات نہیں۔ قول سدید شیطانی ہاتھوں میں ایسی عجیب عجیب شکلیں اختیار کر لیتا ہے کہ حیرت انگیز طور پر یہ حسین ہتھیار برے نتائج پیدا کرنے لگ جاتا ہے۔ جیسے کھیتوں کی نلائی کی جاتی ہے ایک اچھا زمیندار اسی ہتھیار سے اچھی نلائی کر دیتا ہے جڑی بوٹیوں کو اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے اور ایک ناواقف نہ صرف یہ کہ پودے کو جن کی حفاظت کرنا مقصود ہے ان کو کاٹتا ہے اور گندی جڑی بوٹیاں اسی طرح رہ جاتی ہیں بلکہ بعض دفعہ اپنے پاؤں بھی کاٹ لیتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے قول سدید کا تقویٰ سے پیوند رکھا ہے اور اسی شرط کے ساتھ اس کو ذریعہ اصلاح بنایا ہے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا اے وہ لوگو! جو تقویٰ اختیار کرتے ہو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ اگر قول سدید کا ہتھیار اپنے ہاتھ میں پکڑ لو گے تو عظیم الشان نتائج پیدا ہوں گے۔ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ خدا تعالیٰ اس کے نتیجہ میں تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا۔ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اور چونکہ تقویٰ کا مضمون یہ بتاتا ہے کہ ہر بات جو سیدھی کی جاتی ہے وہ اللہ کی خاطر کی جاتی ہے اسی لئے میں نے شروع میں ہی آغاز ہی اپنے خطبہ کا اسی بات سے کیا تھا کہ نیتوں میں قول سدید رکھیں اور ساری نیتیں خدا کی طرف لے جائیں ۔سیدھا نیتوں کا پیوند خدا کے حضور خدا کے قدموں سے ہو۔ یہی مضمون ہے جو قرآن کریم بیان فرما رہا ہے کہ اے وہ لوگو! جو تقویٰ رکھتے ہو جن کی ہر بات خدا کی خاطر ہوتی ہے۔ جن کی ہر بات اس خوف سے ہوتی ہے کہ خدا ناراض نہ ہو جائے، تم اگر قول سدید اختیار کرو گے تو تم دیکھو گے کہ معاشرہ میں عظیم الشان نتائج پیدا ہو رہے ہیں لیکن وہ تم نہیں کر رہے ہو گے، یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ خدا تمہارے اعمال کی اصلاح کر رہا ہوگا۔

اس میں خدا تعالیٰ نے ایک اور نکتہ بھی ہم پر کھول دیا کہ خدا کے نام پر تقویٰ اختیار کر کے

جو لوگ اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں کہیں دور کا بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہم نے یہ بات کردی ہے ہماری کوششوں سے یہ عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں ان کو یہی دکھائی دیتا ہے یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ کہ اللہ ہی ہے جو اصلاح کررہا ہے اور چونکہ ان کی انکساری اس مقام پر پہنچی ہوتی ہے اس لئے امر واقعہ بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ براہ راست اس بات کا ضامن ہو جاتا ہے کہ ان کے ہر فعل میں برکت پڑے۔ ان کی ہر نصیحت نیک اثر دکھائے اور پھر خدا تعالیٰ خود معاشرہ کی اصلاح کا بیڑہ خود اٹھالیتا ہے۔

چنانچہ اس چھوٹی سی آیت میں اس عظیم الشان مضمون کو کس شان کے ساتھ بیان فرما دیا۔ فرمایا قول سدید تم کرو۔ اے متقیو! قول سدید کا ہتھیار تم اٹھالو اور پھل دینے کا وعدہ ہم کرتے ہیں یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ لیکن یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ کے نتیجہ میں ایک حصہ پھر بھی باقی رہ جاتا ہے یعنی گزشتہ بدیاں اور کمزوریوں کا نقصان تو بہر حال پھر بھی ملنا چاہئے اور انسان کے بس میں یہ تو ہوسکتا ہے اگر وہ کوشش کرے کہ میں کچھ اصلاح کرلوں لیکن گزشتہ کمزوریوں کے بدنتائج سے وہ قوم کو بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو آگے بڑھایا فرمایا کہ میں صرف تمہاری نیکی کے نتیجہ میں، تمہارے صاف قول کے نتیجہ میں، تمہارے تقویٰ کے نتیجہ میں صرف اصلاح کا وعدہ نہیں کرتا بلکہ میں احسان کا سلوک کروں گا صرف عدل کا سلوک نہیں کروں گا وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ خدا تعالیٰ تمہارے گزشتہ گناہ بھی بخش دے گا۔ تمہاری گزشتہ کمزوریوں کو بھی دور فرمادے گا اور پھر آگے یہ خوشخبری بھی دی وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا اور اگر تم اسی طرح خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے چلے جاؤ گے تو اتنی عظیم الشان ترقیات، اتنی عظیم الشان کامیابیاں تمہارے مقدر میں ہیں کہ ان کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ تمہاری نظریں ان کا اندازہ کرنے سے کوتاہ ہیں، وہ کامیابیاں عظیم ہیں۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت ان ساری معاشرتی خرابیوں کی طرف توجہ کرے گی اور جس طرح کہ میں نے بیان کیا ہے تقویٰ کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اور کسی پر احسان نہ رکھتے ہوئے نہ افراد پر نہ جماعت پر، محض اپنی ذات پر احسان کرتے ہوئے خدا کی خوشنودی کی خاطر یہ کام

شروع کریں۔اور یہ کام ایسا ہے جو محض تنظیموں کا کام نہیں ہے یہ تو ہر فرد بشر کو کرنا پڑے گا، ہر مرد کو کرنا پڑے گا، ہر عورت کو کرنا پڑے گا اور ہر بچے کو بھی جہاں تک اس کے بس میں ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

نماز جنازہ کے کچھ اعلان کرنے ہیں۔نماز جمعہ اور اس کے بعد عصر کی نماز چونکہ ساتھ جمع ہوگی اس لئے عصر کی نماز کے معاً بعد چند نماز ہائے جنازہ غائب پڑھائی جائیں گی۔

ایک تو مکرمہ آمنہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب مرحوم سابق امیر جماعت کراچی کا جنازہ ہے۔یہ ہمارے موجودہ امیر جماعت لاہور ہیں چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب ان کی والدہ، چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی بھاوجہ اور چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی بیٹی۔کئی رشتوں سے بہت ہی قابل احترام خاتون تھیں۔ ذاتی طور پر بھی بڑی نیکیوں سے مزین۔ہمارے انگلستان میں آج کل چوہدری ناصر احمد صاحب سیال رہتے ہیں ان کی بھی ہمشیرہ تھیں اور خاص ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ بہت ہی خوش خلق، خوش مزاج لیکن ساتھ قول سدید سے کام لینے والی ۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قول سدید سے کام لیا جائے تو خشک بات کی جائے اور بے مزہ بات کی جائے لیکن قول سدید کا یہ مطلب نہیں ہے۔اس لحاظ سے یہ بہت ہی اچھا نمونہ تھیں کہ طبیعت میں نہایت ہی مزاح تھا اور بہت ہی ہر دلعزیز تھیں لیکن قول سدید نہیں کبھی چھوڑا اور قول سدید میں تلخی کی بجائے ایک انوکھا پن ایک لذت پیدا کر دیا کرتی تھیں اس لئے اس لحاظ سے ان کو خاص امتیاز تھا۔

حضرت مصلح موعود کا مجھے یاد ہے کہ ان کی باتیں بہت سن لیتے تھے کیونکہ وہ باتیں جو دوسروں کے لئے پہنچانی مشکل ہوتی تھیں یہ سیدھی پہنچاتی ضرور تھیں، باز نہیں آیا کرتی تھیں لیکن ایسے حسن ادا کے ساتھ کہ حضرت مصلح موعود اس کو ہمیشہ ہنس کر خوشی سے قبول کیا کرتے تھے خواہ وہ آپ پر ہی تنقید ہو۔بہر حال اس خاندان کو اوپر تلے بہت ہی نقصان پہنچا ہے پہلے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا وصال ہوا، پھر ان کے چھوٹے بھائی چوہدری اسد اللہ خاں صاحب کا وصال ہوا اب آپا آمنہ مرحومہ۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے، اپنے قدموں میں جگہ دے۔

ایک جنازہ ہے مکرمہ امتہ الرحیم صاحبہ اہلیہ مکرم غلام مصطفیٰ کاہلوں ریٹائرڈ ٹیکسیشن آفیسر فیصل آباد کا یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مرحومہ نیک مخلص خاتون تھیں اور موصیہ تھیں۔

ایک جنازہ مکرم کیپٹن شیر محمد صاحب کا ہے جو ماڈل ٹاؤن لاہور میں اپنے نیک مزاج اور نیک اخلاق کی وجہ سے بڑے ہر دلعزیز تھے۔ بہت مخلص انسان تھے۔ان کی ابھی اطلاع ملی ہے کہ ان کی وفات ہوگئی ہے۔ان کا بھی جنازہ ہوگا۔

ایک جنازہ ہے ان کی وفات تو پہلے کی ہوئی ہوئی ہے لیکن ان کے بچے کا مجھے اب خط ملا ہے۔رانا نذیر احمد صاحب یہاں جلسہ پر تشریف لائے تھے پھر آگے امریکہ اپنے بیٹے کے پاس چلے گئے اور وہیں ان کی وفات ہوگئی تو ان کے بیٹے کا خط آیا ہے کہ چونکہ دیار غیر میں وفات ہوئی ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ ان کی بھی نماز جنازہ غائب پڑھائی جائے۔ یہ بھی بہت مخلص آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی غریق رحمت فرمائے۔

ایک دعا کا اعلان کرنا ہے۔کہ سکھر میں آپ کو علم ہے کہ ہمارے کئی مظلوم بھائی جو کلیۃً بے قصور ہیں ایک جھوٹے ،سراسر جھوٹے بہتان کے نتیجہ میں بڑی دیر سے جیل میں صعوبتیں برداشت کررہے ہیں اور یہ بدقسمتی کا عجیب دور ہے کہ کسی زمانہ میں اگر چہ وہ معاملات فوج کی عدالت میں پہنچائے جاتے تھے جہاں انسان کو یہ فکر ہو کہ اگر دوسری عدالت میں گیا تو انصاف نہیں ہوگا فوج سے انصاف مل جائے گا اب الٹا دور چلا ہوا ہے کہ جہاں ظلم کرنا ہو پیچھے پڑ کر ان مقدمات کو فوج تک پہنچایا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں سول عدالت سے اس طرح ظلم نہیں ہو سکے گا اس لئے فوج کی عدالت میں پہنچایا جائے۔ یہ تو رجحان ہے مگر خدا کرے بدظنی ہو اور اگر اس میں سچ بھی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس معاملہ میں ظلم کی توفیق نہ عطا فرمائے کیونکہ یہ معاملہ بہت ہی دردناک ہے۔اگر چہ ساہیوال کیس میں بھی جو ہمارے مظلوم ہیں ان کے متعلق بھی بار بار میں اعلان کرتا رہا ہوں ان کی بھی بڑی دردناک حالت ہے لیکن یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ دو ایسے ہمارے معصوم بھائی بھی ملوث ہیں جن کے والد کو وہیں سکھر میں ان کے قید ہونے سے کچھ عرصہ پہلے شہید کیا گیا تھا۔ اور والد کو اس طرح ختم کیا گیا اور اب جھوٹا مقدمہ بنا کر کہ ایک بم چلانے میں ملوث ہے۔ان کو اس طرح ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔یعنی سنگینی اور سفا کی کی کوئی انتہاء ہونی چاہئے ، یہاں تو

کوئی انتہاء نظر نہیں آتی ۔ اس لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ حق وانصاف کے ساتھ ان کو معاملہ کرنے کی توفیق بخشے ۔ اس قوم کی آنکھیں کھولے یہ ظلم کرتے ہوئے کہاں پہنچیں گے ۔